مولانا محمد طاسین کی تحریر کے جواب میں

مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب
استاذ حدیث دارالعلوم حقانیہ

ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

(نقد اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں تفاوت کا شرعی تجزیہ)

(۲)

مختلف الجنس اشیاء کے تبادلہ میں تفاضل حقیقی و حکمی دونوں جائز ہیں

از روئے شرع خرید و فروخت کا معاملہ عاقدین کی باہمی رضامندی پر مبنی ہے۔ لیکن اموال ربویہ میں ان پر چند پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ "اشیاء ستہ" کی حدیث سے جہاں دوسرے ائمہ نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق علت نکال کر ربوا کی شکلیں متعین کیں تو احناف ؒ نے "جنس و قدر" کی علت نکالی۔ اس لیے جہاں کہیں دونوں علتیں پائی جاتی ہیں۔ وہاں پر احناف ؒ نے تفاضل حقیقی اور تفاضل حکمی (نسیہ) دونوں حرام قرار دیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے پر گندم کے عوض گندم فروخت کرتا ہے تو ایک من کے بدلہ میں جیسا کہ دو من خریدنا حرام ہے۔ ایسا ہی تفاضل حکمی کہ ایک چیز وصول کر کے دوسرے کی وصولی کے لیے مہلت دی جائے) بھی حرام ہے اور اگر کہیں جنس و قدر میں سے کوئی ایک علت پائی جائے تو وہاں پر تفاضل حکمی تو حرام ہے لیکن تفاضل حقیقی میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے ایک من گندم کے عوض دو من مکئی لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں نسیہ حرام ہے۔ اور جہاں کہیں جنس و قدر دونوں نہ ہوں۔ تو مختلف الجنس اشیاء میں" واذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم " کی رو سے تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں حلال ہیں۔ زیر نظر معاملہ میں ثمن اور مبیعہ دونوں مختلف جنس ہیں جن کے درمیان قدر بھی مشترک نہیں اس لیے تفاضل میں کوئی حرج نہیں ہونی چاہیے۔ تاہم نسیہ اور نقد کے مابین تفاوت کا اعتبار کرنا عقد کی تکمیل کے بعد ثانوی امور ہیں جن کا عقد کے قوام سے کوئی تعلق نہیں۔

نقد و نسیہ کی قیمت میں تفاوت کا جواز ائمہ کا اتفاقی مسئلہ ہے

ائمہ کرام کے درمیان زیر نظر مسئلہ میں اتفاق ہونے کی نشاندہی ایک دوسرے مسئلہ سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں حضرت زید بن ارقم کی سابقہ روایت پیش کی جاتی ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اگر کوئی چیز نسیہ اور ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کرے۔ اور پھر بغیر کسی ثمن کی ادائیگی کے دوبارہ اپنی فروخت

کی ہوئی چیز بغیر کسی ثالث کے حائل ہونے کے نقد پر کم قیمت پر خریدے تو امام شافعیؒ کے نزدیک ثالث کے حائل نہ ہونے کے بغیر بھی یہ عقد جائز ہے لیکن احناف کے نزدیک ثالث کے حائل ہونے کے بغیر یہ عقد ناجائز ہے تاہم اگر درمیان میں ثالث آجائے اور فروخت کرتے وقت نسیہ کی وجہ سے اس کی قیمت پانچ سو روپے رکھی گئی تھی لیکن دوبارہ بائع نے نقد رقم دے کر اپنی فروخت کی ہوئی چیز کم قیمت چار سو روپے پر خریدی تو پھر شوافعؒ کی طرح احنافؒ کے نزدیک بھی جائز ہے ایسا ہی ثمن کی وصولی کے بعد جواز اتفاقی ہے۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں۔

وقيد بقوله قبل نقد الثمن لان ما بعده يجوز بالاجماع باقل الثمن [۱]

ترجمہ: ثمن کی ادائیگی سے قبل مسئلہ کی تقیید سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر معاملہ بعد نقد الثمن کا ہو تو پھر بالاتفاق جائز ہے۔

اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اصل قیمت کی زیادت میں جیسا کہ نقد میں زیادتی کا احتمال ہے تو "حالة او نسيئة" کے عموم سے نسیہ کا بھی احتمال ہے تو نسیہ میں زیادہ قیمت مقرر کرکے بعد میں کم قیمت نقد پہ خریدنے سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ مقالہ نگار کے انداز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر مسئلہ فقہ حنفی میں شاید صرف ان دو کتابوں تک محدود ہے لیکن حقیقت میں یوں نہیں۔ بلکہ فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن عابدینؒ نے یہ مسئلہ علاؤ الدین الحصکفی کی عبارت کی شرح میں "رد المحتار علی الدر المختار" المعروف شامی ج ۴ صـ۱۵۸ ابن نجیم المصری نے بحر الرائق ج ۶ صـ۱۴۱ پہ بھی ذکر کیا۔ اگرچہ اکثر فقہاء نے جو علت ذکر کی ہے وہ ایک نظر آتی ہے میرے خیال میں فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں شاید کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں یہ مسئلہ نہ ہو۔ لیکن محض فقہی ذخائر سے عبارات کا نقل موصوف کے نزدیک کسی خاص فائدہ کا حامل نہیں۔ اس لیے عبارات کے نقل کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ زیر نظر مسئلہ کے عدم جواز کے بارے میں کسی ایک کتاب میں صریح جزئیہ کہیں نہیں ملتا۔ اس لیے موصوف کو اپنے موقف کے اثبات کے لیے دوسرے جزئیات کا سہارا لینا پڑا۔ اگر کہیں یہ ناجائز ہوتا تو اتنے ضخیم فقہی ذخائر میں کہیں نہ کہیں اس کی تصریح ہوتی۔

موصوف کے مقالہ کا جائزہ یہاں تک اصل مسئلہ کے جواز کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ ابھی ہم ذرا آگے قدم بڑھاتے ہوئے موصوف کے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جن کی وجہ سے موجودہ معاملہ ناجائز اور حرام قرار دیا جا رہا ہے۔

---

[۱] فتح القدیر ج ۶ صـ۶۸

دونوں قسطوں پر مشتمل مقالہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدم جواز کا نظریہ تین باتوں پر مبنی ہے۔

۱۔ ربوا النسیئۃ :۔ آپ کے نزدیک زیر نظر مسئلہ "ربوا النسیئۃ" کی ایک ذیلی قسم ہے۔ کبریٰ تو مسلمات دین میں سے ہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے ربو کی جملہ قسمیں حرام ہیں۔ اس لیے یہ معاملہ بھی حرام ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کبریٰ کی تسلیم ہونے کی وجہ سے اس پر بحث کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ لیکن صغریٰ ایک نظری مسئلہ ہونے کی وجہ سے کافی غور و خوض کا محتاج تھا اس لیے موصوف نے اس پر بڑی عرق ریزی سے کام کیا ہے۔ چنانچہ پہلی قسط کا ۳/۴ سے زائد حصہ اس پر مشتمل ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"غرضیکہ قرآن حکیم نے ربوا النسیئہ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا ان میں ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار مندرجہ ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریم ربوا کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے[۱]"

آپ نے ربوا النسیئۃ کی حقیقت زید بن اسلمؓ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، قتادہ اور عطاء بن ابی رباح جیسے بلند پایہ اکابرین کے حوالہ سے نقل کرکے یہ کوشش کی ہے کہ یہی حقیقت ربوا زیر نظر مسئلہ میں بھی کارفرما ہے پھر مزید وضاحت کے لیے آپ نے ابوبکر الجصاصؒ اور امام فخر الدین رازیؒ کے اقوال کا سہارا بھی لیا ہے۔ جن میں ربوا النسیئہ کی حقیقت بیان ہوتی ہے۔ اس خیال کو مزید تقویت دیتے ہوئے موصوف نے ان اثرات کا جائزہ بھی لیا ہے جو سود کی وجہ سے معاشرہ پر پڑتے ہیں آپ کے خیال میں یہی زیر نظر معاملہ کے بھی اثرات ہیں۔

۲۔ بیع باطل :۔ موصوف نے جس دوسری حقیقت پر زیر نظر مسئلہ کے عدم جواز کی عمارت بنائی ہے۔ وہ بیع باطل کی تعریف ہے۔ آپ حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسن بصری اور علامہ رشید رضا کے حوالہ سے بیع باطل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بعد ازاں مروجہ معاملہ پر یہی حقیقت منطبق کرکے فرماتے ہیں۔

"آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے[۲]"

۳۔ تیسری چیز جو موصوف اپنے موقف کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں وہ قرض میں کسی منفعت کی حرمت کا حکم ہے چنانچہ حضرت علیؓ کی روایت کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربوا ہے۔ آپ اس روایت کے آخر میں فرماتے ہیں۔

"بہرحال اس حدیث کی رو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز قرار پاتا ہے[۳]"

اس کے علاوہ موصوف کے مقالہ کے آخر میں ہدایہ اور مبسوط سرخسی کے واضح جزئیات سے جان چھڑانے کے لیے

[۱] الحق جلد ۲۷ شمارہ ۳ صفحہ ۲۳ [۲] الحق جلد ۲۶ شمارہ ۳ صفحہ ۳۶ [۳] ایضاً صفحہ ۳۰

ایسی کمزور اور رکیک توجیہات کی گئی ہیں جو " توجیہہ بما لا یرضی قائلہ " کا مصداق ہے ۔ ان توجیہات کی حقیقت، قوام و ثبات یا ضعف و کمزوری کے لیے قارئین حضرت مولانا قاضی عبدالکریم دامت برکاتہم کے مقالہ سے استفادہ کرتے ہیں ۔ ہم آئندہ موصوف کے ان تین نکات پر بحث کریں گے جو بزعم مقالہ نگار زیر نظر مسئلہ کی حرمت کے لیے بنیادی کردار رکھتے ہیں ۔

پہلی وجہ کی کمزوری

جہاں تک زیر نظر معاملہ کو " ربوا النسیہ " کی قسم قرار دینے کی یہ بات ہے تو ربٰو کا دائرہ اتنا وسیع نہیں جو ادھار کے معاملہ کو بھی سمیٹ سکے ۔ چند وجوہات کی وجہ سے ادھار کا معاملہ ربوا النسیہ سے مختلف ہے ۔

۱ ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ " ربوا النسیہ " میں اجل کو باقاعدہ مستقل مبیعہ کی حیثیت سے اعتبار دیا جاتا ہے ۔ موصوف کے مقالہ کے حوالہ سے اکابرین امت سے اس کی جو حقیقت نقل کی گئی ہے ۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقرر مدت کے خاتمہ پر دائن مدیون کے پاس جا کر کہہ دیتا کہ میری فلاں رقم جو تیرے ذمہ ہے وہ ادا کرو ۔ اگر ابھی ادا نہیں کرتے ہو تو اتنی مدت کے بعد مجھے اس مدت کے عوض مقرر رقم کے ساتھ مزید اتنی رقم دو گے ۔ عروض کی طرح اجل کی کمی اور زیادتی کو دیکھ کر قیمت لگائی جاتی اجل میں مالیت و تقوم کی حقیقت معدوم ہونے کی وجہ سے دائن کو اصل رقم پر بغیر کسی معاوضہ کے زیادت دی جاتی ۔ جس کو قرآن نے حرام قرار دیا ۔ شیخ عبدالرحمن الجزیری ربٰوا کی تقسیم کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔

وینقسم الی قسمین الاول ربا النسیة وھو ان تکون الزیادۃ المذکورہ فی مقابلة تاخیر الدفع .... لاخلاف بین ائمة المسلمین فی تحریم ربا النسیة وھو کبیرۃ من الکبائر بلا نزاع لہ	ربٰوا کی دو قسمیں ہیں ۔ پہلی قسم " ربوا النسیہ " یہ وہ ہے کہ جس میں مذکورہ زیادتی تاخیر سے دینے کے مقابلہ میں دی جاتی ہے ----- اکابرین امت میں اس کی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں یہ بالاتفاق گناہ کبیرہ ہے ۔

یہی وہ حقیقت ہے جو مفسرین ، فقہاء ، محدثین اور دوسرے ارباب تحقیق کی تحریرات میں نظر آتی ہے ۔ شاید تعبیر میں کوئی مبالغہ نہ ہو ۔ کہ ہم اس سے یوں کہیں کہ یہ زیادتی اجل کا معاوضہ ہے ۔

لیکن اس کے مقابلہ میں زیر نظر معاملہ میں یہ مفروضہ زیادتی معاوضہ کی حیثیت سے نظر نہیں آتی ۔ نہ مقررہ میعاد کی کوئی قیمت مقرر کی جاتی ۔ اور نہ اس کو عاقدین مبیعہ کا کوئی جز تسلیم کرتے ہیں تاکہ کسی وقت مقررہ قیمت ، مبیعہ اور اجل پر تقسیم ہو سکے ۔ یہی وجہ ہے عام فقہاء اس زیادتی کے لیے بعوض الاجل کی جگہ " لاجل الاجل " کی علت

لہ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۲ ص ۲۴۵

ذکر کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:۔ "یزاد فی الثمن لاجل الاجل" ابن عابدینؒ اور ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:۔ "ویزاد فی الثمن لاجلہ" گویا دونوں کا بنیادی فرق یہی ٹھہرا کہ ادھار کے معاملہ میں زیادتی "لاجل الاجل" اور "ربوا النسیہ" میں زیادتی لعوض الاجل ہے۔ ایسے واضح فرق ہونے کے باوجود پھر بھی یہ معاملہ ربوا کی ذیلی قسم قرار دینا غلط فہمی یا سینہ زوری ہے۔ تاہم یہ فرق باریک ہے شاید اس فرق کی مزید وضاحت ایک مثال سے ہوسکے مثلاً ایک شخص کراچی سے پشاور تک ریل گاڑی میں سفر کرتا ہے تو اصل کرایہ تین سو روپے ہے جو کسی گاڑی میں اپنی سیٹ مقررہ مسافت تک اس قیمت پر لے سکتا ہے۔ لیکن اس گاڑی میں ایئر کنڈیشن سیٹ کا کرایہ پانچ سو روپے لگایا جاتا ہے لہذا دونوں کرایوں کو مدنظر رکھ کر ہم تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصل کرایہ تین سو روپے ہے لیکن موخر الذکر سیٹ کے کرایہ میں یہ اضافہ محض سہولیات اور رعایات کے اضافہ کی وجہ سے ہے یہ اضافہ کسی سہولت کا معاوضہ نہیں۔

ایسا ہی یہاں پر معاملہ ہے کہ ادھار میں یہ زیادتی کسی اجل کا معاوضہ نہیں تاکہ اس کو حرام اور ممنوعہ معاملات میں شمار کیا جاسکے بلکہ یہ "النقد خیر من النسیۃ" کو مدنظر رکھتے ہوئے موخر ادائیگی کی وجہ سے مقرر کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ نقد وصولی میں مشتری کو بروقت ادائیگی کی زحمت ہو۔ لیکن بائع کو فائدہ ہوگا۔ جبکہ تاخیر سے ادائیگی میں مشتری کو سہولت دی جاتی ہے اور بائع کے جذبات کو قابو میں رکھنے کے لیے قیمت فروخت نسبتاً زیادہ لگائی جاتی ہے تاکہ بائع بطیب خاطر ادائیگی کے لیے تیار رہے اور مشتری بھی اپنی سہولت کو مدنظر رکھتے خوشی سے قیمت ادا کرے۔

۲۔ دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ حرام معاملہ میں ایسی دو اشیاء کا تبادلہ ہے۔ جن کی جنس اور قدر آپس میں متحد ہے کیونکہ دائن جب مدیون سے معاہدہ کے اختتام پر یہ کہتا ہے کہ اگر ابھی میرے پیسے مثلاً ایک ہزار روپے نہیں دیتے ہو تو چھ مہینوں کے بعد ایک ہزار کی جگہ پندرہ سو روپے دوگے گویا اس میں تبادلہ عرض اور ثمن کا نہیں رہا کیونکہ اختتام معاہدہ پر دائن کا حق مبیعہ نہیں رہتا۔ بلکہ مبیعہ کی قیمت رہی تو تبادلہ رقم کا رقم سے آیا۔ ایسی حالت میں لازمی بات ہے کہ جنس اور قدر کی موجودگی میں تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں آیا۔ جو قطعی حرام ہے۔

لیکن زیر نظر معاملہ میں یہ صورت بالکل نہیں۔ یہاں پر تبادلہ مبیعہ اور ثمن کا ہے اول ہی سے بائع اور مشتری کے درمیان ایجاب وقبول میں یہی قیمت منظور نظر رکھی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں جہاں بیع مطلق کی تعریف صادق یعنی مبیعہ اور ثمن کا تبادلہ ہو تو تفاضل میں کوئی حرج نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ کہیں بائع اور مشتری کے درمیان نقد ست پر معاہدہ طے پاتے۔ بعد ازاں مشتری نقد ادائیگی سے قاصر ہو۔ اور یہ کسی معاوضہ کی وجہ سے ثمن کی ادائیگی خر کرے تو اس وقت یہ معاملہ لازمی طور پر ربوا النسیہ کے مترادف ہے۔ کیونکہ نقد ادائیگی پر معاہدہ کے وقت

بائع کا حق ابھی مقررہ ثمن کے مقدار میں متعین ہوا۔ تو ابھی اجل کی وجہ سے زیادتی نہیں اس مقررہ حق کے مقابلہ میں سے جو ناجائز ہے۔

دوسری وجہ کی کمزوری

جہاں تک موصوف کی دلیل کے دوسرے حصّہ کا تعلق ہے تو یہ بھی شبہ سے خالی نہیں یہ مشکل ہے کہ بیع باطل کی تعریف زیر نظر معاملہ پر صادق ہو۔ اس کے بطلان کے لیے ہم پہلے ایک مقدمہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ عقد بیع میں ایجاب وقبول کے بعد جب تک اس عقد کا فسخ ہو کر کسی دوسرے معاہدہ کی تجدید نہ ہو، تو کمی اور زیادتی کی نسبت اصل عقد کی طرف کی جائے گی۔ مثلاً بائع اور مشتری ایجاب وقبول کر کے معاہدہ کریں۔ بعدازاں بائع مقررہ مبیعہ کے ساتھ یا مشتری مقررہ قیمت سے کوئی زیادتی ادا کرے تو اس کی نسبت اصل عقد کی طرف کی جائے گی۔ چنانچہ استحقاق کی صورت میں یہ کمی اور زیادتی لازمی طور پر ظاہر ہوگی فقہاء کرام لکھتے ہیں۔

ویجوز للمشتری ان یزید للبائع فی الثمن ویجوز للبائع ان یزید للمشتری فی المبیع ویجوز ان یحط عن الثمن ویتعلق الاستحقاق بجمیع ذلك فالزیادة والحط یلتحقان باصل العقد عندنا[1]

مشتری کے لیے جائز ہے کہ وہ بائع کے لیے قیمت میں زیادتی کرے جبکہ بائع مشتری کو مبیعہ میں اضافہ کرسکتا ہے اور قیمت میں کمی بھی جائز ہے استحقاق ان تمام سے متعلق ہوگا۔ پس کمی اور زیادتی ہمارے نزدیک اصل عقد سے ملحق ہوتی ہے۔

اس قاعدہ پر چلتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زیر نظر معاملہ میں قیمت میں یہ زیادتی اصل مبیعہ کے عوض میں آتی ہے۔ اگر قیمت نقد کی صورت میں کم ہو یا ادھار کی صورت میں زیادہ ہو۔ ہر دونوں صورتوں میں مبیعہ کی قیمت سمجھی جائے گی۔ تو بیع باطل کی تعریف " مایوخذ من الانسان بغیر عوض " یا " مالم یکن فی مقابلة شئ حقیقی " مروجہ معاملہ پر کبھی صادق نہیں۔ اس میں یہ کبھی نہیں۔ کہ بائع کو زیادتی بغیر عوض ملی۔ بلکہ تمام قیمت مبیعہ کی ہے اصل اور اضافہ دونوں کے درمیان ایسا شدید اتصال موجود ہے کہ دونوں کی ایک دوسرے سے جدائی متصور نہیں یہ کبھی نہیں کہا جاتا ہے کہ اس قیمت کا اتنا حصّہ مبیعہ کا ہے اور اتنا حصہ درمیان میں اجل کا ہے۔ آخر کار " اجل " میں اتنی قوت کہاں ہے جس کو مبیعہ شمار کیا جاسکے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:۔

لان الاجل فی نفسه لیس بمال فلا یقابله شئ حقیقة اذا لم یشترط زیادة الثمن

کیونکہ اجل بذات خود کوئی مال نہیں۔ پس حقیقت میں جب ثمن کی زیادت قصداً اس کے عوض میں شمار نہیں

[1] ہدایہ ج ۳ صـ ۵۲

بمقابلة قصدا ویزاد فی الثمن لاجله اذا ذکر الاجل بمقابلة زیادة الثمن قصدا [1]

کی گئی ہو۔ تو کوئی چیز اس کا معاوضہ نہیں۔ البتہ قیمت میں زیادتی کی جا سکتی ہے جبکہ اجل زیادت ثمن کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہو۔

بہرحال بیع باطل کی تعریف اس پر صادق نہیں اس لیے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" کی رو سے یہ ناجائز نہیں بلکہ" الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" کی رو سے جائز ہے۔ قسط وار ادائیگی کی صورت میں مشتری کی سہولت کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا بے جا نہیں کہ مشتری بیک وقت ادائیگی کے تحمل کے بوجھ سے چھٹکارا پاکر معمولی اضافہ برداشت کرنے پر لازمی طور پر خوش ہوگا۔ ورنہ ممکن ہے کہ مشتری کو کہیں بیک وقت ادائیگی کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے کہیں مبیعہ کی خریداری سے محروم ہونا پڑے۔ اس لیے مشتری کی رضامندی نہ ہونے کا دعویٰ کرنا خلاف واقع ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر بائع احسان سے کام لے کر کم قیمت پر مبیعہ فروخت کرنے پر تیار ہو تو اس سے مشتری کو خوشی حاصل ہوگی۔ لیکن اس سے مزید ایک خوشی کی اور صورت بھی ہے کہ بائع محض اللہ کی رضامندی کے لیے مبیعہ بغیر کسی عوض کے مجاناً مشتری کے حوالہ کرے۔ لیکن اس کو معاشرہ کا لازمی حصہ قرار دینا، یا ہر ایک کو احسان کا پابند کرانا شریعت کے عادلانہ نظام سے متصادم ہے۔ کیونکہ شریعت کسی پر ایسے اضافی بوجھ ڈالنے کے حق میں نہیں البتہ تقویٰ اور نیکی حاصل کرنے دروازے دونوں پہر ہر وقت کھلے ہیں۔

تیسری وجہ کی کمزوری

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت "ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربوا ہے" کا حکم بھی بظاہر اس معاملہ پر چسپاں کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ حکم وہاں ہے جہاں قرض کی موجودگی میں دائن مدیون سے کسی مادی منفعت کا استفادہ کرے۔ ظاہر ہے یہ حکم وہاں ہو سکتا ہے جہاں قرض کا معاملہ باعتبار وجود منفعت کے حصول سے مقدم ہو۔ لیکن یہاں پر معاملہ کی نوعیت اس سے مختلف ہے یہ کبھی نہیں کہ پہلے قرض دے کر پھر منفعت کا معاملہ ہوتا ہے بلکہ اس معاملے سے ہم یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی وجہ سے فائدہ یعنی مشتری کو دینے میں سہولت کا فائدہ اور بائع کو قیمت میں مالی فائدہ آیا گویا ظاہری انتفاع کا دائرہ ایسا بھی نہیں جو صرف دائن کی ذات تک محدود ہے بلکہ دائن اور مدیون دونوں اس فائدہ سے بہرور ہو رہے ہیں تاہم کسی غیر واقعی اور امکانی احتمال شبہ انتفاع کی وجہ سے ممکن ہے اس عقد پر غیر مستحسن کا حکم لگایا جاتا ہے جو خواص کے دائرہ تک محدود رہتا۔ لیکن اس کو بالکل حرام اور ناجائز قرار دینے کا حکم دوسرے اصول سے بھی متصادم ہے ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ کی ۹۸ فیصد آبادی اس کاروبار میں مبتلی ہے کسی جواز کے احتمال کے ہوتے ہوئے حرام کے کھاتے میں ڈالنا دانشمندی نہیں۔ جہاں کہیں جواز کا امکان ہو اور یہ احتمال کسی شرعی نص سے بظاہر متصادم نہ ہو تو جواز کے معاملہ کیلئے ایسے احتمال کو بنیاد بنانا اوفق بالروایت والدرایت ہے اگرچہ حرمت کے لیے دوسری جانب میں کوئی احتمال نظر آتا ہے۔ تاہم تقویٰ کا میدان اس سے الگ ہے جن کے لیے ایسے مشتبہات سے بچنا بھی کمال سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] ردالمحتار علی الدر المختار المعروف بشامی ج ۴ ص ۱۵۸

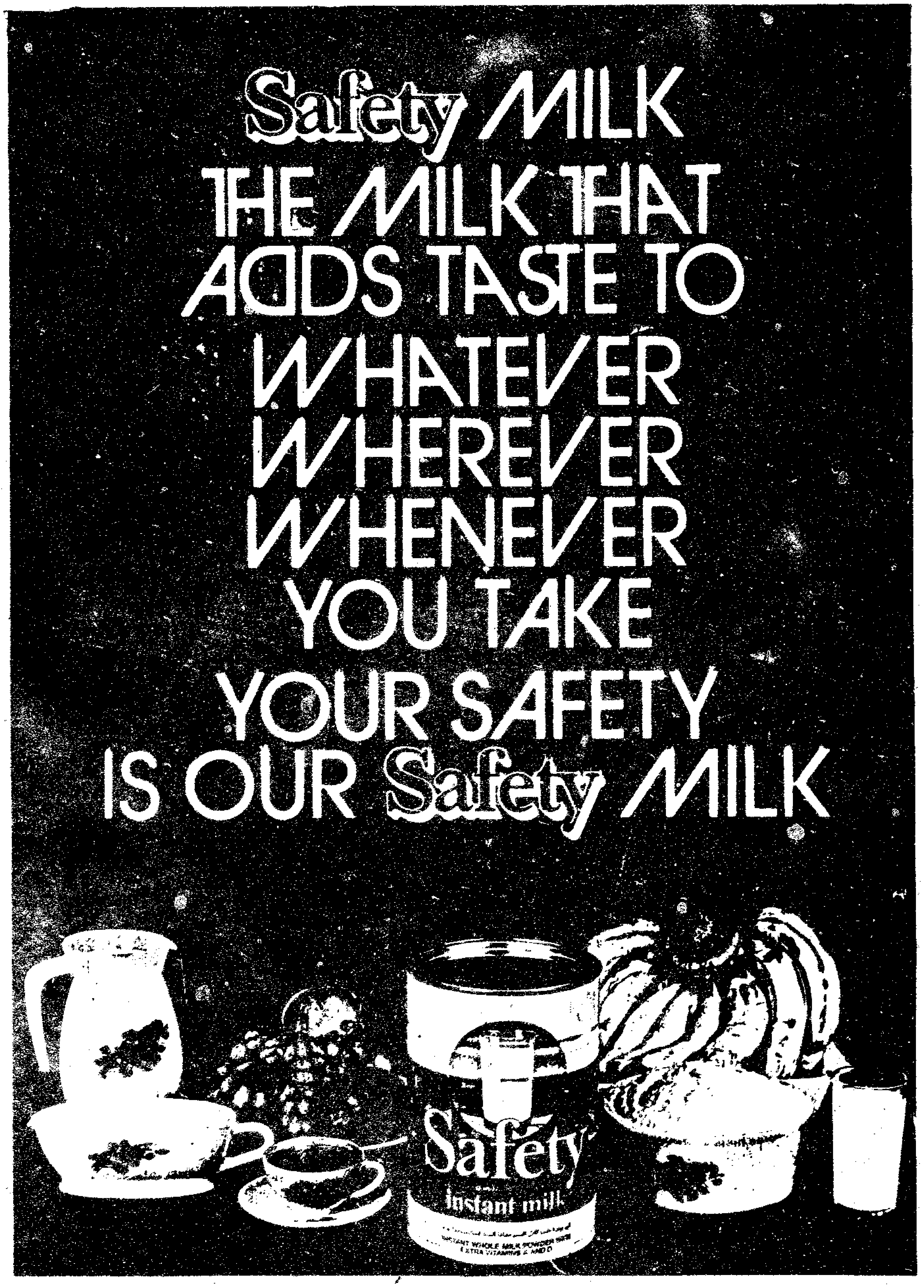
Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK
Safety